تغیر پذیر حالات میں

تفقہ کے تقاضے اور ہم

مؤلف

ڈاکٹر یوسف القرضاوی

مترجم

مفتی نسیم احمد قاسمیؒ

ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	تغیر پذیر حالات میں تفقہ کے تقاضے اور ہم (حاجتنا إلى فقه جديد)
مؤلف	:	علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی
مترجم	:	مفتی نسیم احمد قاسمیؒ
اشاعت اول	:	نومبر ۱۹۹۲ء
اشاعت دوم	:	اکتوبر ۲۰۱۰ء
صفحات	:	۴۰
ISBN	:	978-81-910932-2-3
قیمت	:	۲۲/روپے

ناشر

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱-ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸
جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
فون: 011-26981327
ای میل: ifapublications@gmail.com

مجلس ادارت

۱- مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی

۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

۳- مولانا بدر الحسن قاسمی

۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۵- مولانا عتیق احمد بستوی

۶- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

بسم الله الرحمن الرحيم

فهرست

پیش لفظ	۹
توجہ طلب	۱۱
جدید فقہ کی ضرورت	۱۴
مطلوبہ فقہ کی اقسام	۲۰
فقہ شرعی	۲۱
فقہ واقعی	۲۲
فقہ الاولویات	۳۱

Λ

پیش لفظ

احکام شریعت کے فہم صحیح کو "تفقہ" کہتے ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین" (اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں، اسے دین کا فہم صحیح عطا فرماتے ہیں)۔

دین کے فہم صحیح کے لئے ضروری ہے کہ ایک طرف خالق کائنات سے اس کا رشتہ استوار ہو، دوسری طرف وہ خلق اللہ کی ضرورتوں اور مصلحتوں سے آگاہ ہو، وہ کتاب وسنت کا غواص بھی ہو، اور اپنے عہد کے تقاضوں سے باخبر اور سماج کا نباض ہو، اس لئے یہ موضوع بہت اہم ہے کہ موجودہ تیز رفتار تبدیلیوں کے عہد میں تفقہ کے تقاضے کیا ہیں؟

چنانچہ عالم اسلام کے ممتاز فقیہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے اس موضوع پر "حاجتنا إلی فقه جدید" کے نام سے ایک مختصر مگر جامع رسالہ تحریر فرمایا ہے، ممکن ہے کہ ان کی بعض آراء سے اختلاف کیا جائے؛ لیکن جن گوشوں کو انھوں نے نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے اور جن جہتوں سے احکام فقہیہ پر غور کرنے کی دعوت دی ہے، ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اس رسالہ کی اہمیت وافادیت کی وجہ سے نوجوان فاضل مولانا مفتی نسیم احمد قاسمی مرحوم (سابق رفیق اسلامک فقہ اکیڈمی ونائب ناظم امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ) نے اس کو اردو کا جامہ پہنایا، اکیڈمی دوسری بار اس علمی سوغات کو اہل علم ونظر کی بارگاہ تک پہنچا رہی ہے، مترجم مرحوم دار العلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں تھے، اللہ نے انہیں علم وتحقیق اور خطابت وتالیف کا بڑا جوہر عطا فرمایا تھا؛ مگر افسوس کہ جواں عمری میں دنیا سے رخصت ہوگئے، اللہ تعالیٰ ان کی

حسنات کو قبول فرمائے۔

خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو قبول فرمائے اور اس سے زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے۔

واللہ ھو المستعان۔

۲۱/شوال ۱۴۳۱ھ	خالد سیف اللہ رحمانی
یکم اکتوبر ۲۰۱۰ء	(جنرل سکریٹری)

توجہ طلب

یہ ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ فقہ اسلامی کی تدوین اور اس کا عروج وارتقاء ایسے ادوار میں ہوا جب کہ دنیا کے بیشتر ممالک اسلامی حکومت کے زیر نگین تھے۔ ہر طرف اسلامی قانون کا بول بالا تھا۔ مسلمان اسلام کے زیر سایہ زندگی گزار رہے تھے۔ وہ دنیا کے حاکم تھے اور نظام اسلامی کو غلبہ اور برتری حاصل تھی۔ اس لیے فقہ اسلامی کی زیادہ تر دفعات، جزئیات ومسائل انہی حالات اور مسائل سے بحث کرتی ہیں، جن میں مسلمان صاحب قوت واقتدار تھے، مگر جوں جوں زمانہ انقلابات سے دوچار ہوتا گیا، اسلامی حکومتیں مخصوص خطوں تک محدود ہو کر رہ گئیں، زیادہ تر مسلم آبادیاں ایسے ممالک کے زیر اثر زندگی گذارنے پر مجبور ہو گئیں جہاں انھیں اقتدار حاصل نہیں، اور نہ انھیں وہاں اسلامی نظامِ حیات اور قوانین شریعت کے مطابق زندگی گذارنے کا اختیار حاصل ہے۔ وہ تمام مسلمان جو غیر اسلامی حکومتوں کے زیر اثر اقلیتی زندگی گذار رہے ہیں۔ وہ ایسے حالات ومسائل اور مشکلات سے دوچار ہو رہے ہیں جن کا تصور بھی فقہ کی تدوین وارتقاء کے زمانہ میں ممکن نہیں تھا......اور ان مشکلات کا حل فقہ کے موجودہ ذخیرہ میں نظر نہیں آتا، بے شک فقہ اسلامی کے قدیم ذخیرہ میں ہمارے لیے سرمایۂ حیات اور بیش بہا خزانہ ہے مگر اس وقت اس کی سخت ضرورت ہے کہ ''فقہ الاقلیات'' کے نام سے ایک مستقل فقہ کی تطبیق وتشکیل کا فریضہ کتاب وسنت اور علمائے امت کے متعین کردہ رہنما اصولوں کی مدد سے انجام دیا جائے جس میں مسلمانوں کے اس طرح کے مسائل ومعاملات کا مکمل حل موجود ہو۔ مثلاً:

1۔ اس وقت بین الاقوامی تعلقات وروابط کے پیشِ نظر غیر اسلامی ممالک سے تعلقات قائم کرنا۔

2۔ غیر اسلامی حکومتوں میں اہلِ اسلام کے لیے کلیدی عہدوں اور ملازمتوں کو قبول کرنا۔

3۔ غیر اسلامی نظام مثلاً موجودہ بینکنگ، انشورنس، دفاع اور سیکرٹ سروسز وغیرہ کے اہم شعبوں میں مسلمانوں کی شمولیت، اور ان جیسے بے شمار ایسے مسائل ہیں جن پر ازسرِنو فقہ الاقلیات کی روشنی میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔

علامہ یوسف القرضاوی، اپنی تحقیقی فکر اور علمی خدمات کی وجہ سے کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ زیرِ نظر مضمون ' حاجتنا الی فقه جدید ' (ہمیں اس وقت ایک فقہِ جدید کی ضرورت ہے) اسی جذبے سے تحریر فرمایا ہے۔

علماء، فقہاء اور مفتیانِ کرام کے لیے اس اہم مضمون کی افادیت کے پیشِ نظر اس کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے تاکہ غور وفکر کے نئے زاویے سامنے آسکیں۔

مترجم: مفتی نسیم احمد قاسمیؒ

(سابق نائب ناظم امارت شرعیہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرا خیال ہے کہ پہلا میدان فکری میدان ہے، کیونکہ یہی دعوت وتربیت کی بنیاد واساس ہے۔ یہ بات مجھ پر پوری طرح واضح ہو چکی ہے کہ درحقیقت ہم سب سے زیادہ فکری بحران کا شکار ہیں، اسلام کو سمجھنے ہی میں بہت سے لوگ اس غلطی کا شکار نہیں ہوئے ہیں؛ بلکہ اسلامی تعلیمات کے شعور اور اس کے مراتب کے سلسلے میں بھی ہم سے بہت کوتاہی ہوئی ہے کہ ان میں سے کون سے امور ومعاملات اہم ہیں اور کون سے غیر اہم۔

ہم موجودہ حالات اور ماحول ہی سے بے بہرہ اور ناواقف نہیں ہیں؛ بلکہ ہم دوسروں سے لاعلمی اور ناواقفیت کی بنا پر کشش وپیچ میں مبتلا ہیں جب کہ دوسرے لوگ ہمارے متعلق ہر بات حتی کہ ہمارے اندرونی امور ومعاملات سے بھی واقفیت رکھتے ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ہم خود اپنے آپ سے بھی ناواقف ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ آج ہم نہ صرف اپنی قوت وطاقت سے بے خبر ہیں بلکہ اپنی کمزوریوں سے بھی ناواقف ہیں۔ ہم بیشتر معمولی امور کو غیر معمولی اہمیت دینے اور غیر معمولی امور کو حقیر ومعمولی سمجھنے کی غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں؛ خواہ وہ ہمارے اندر کی صلاحیتوں اور عیوب ہی سے متعلق کیوں نہ ہوں۔

یہ جہالت اور ناواقفیت عوام ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں وہ اکابرین بھی شامل ہیں جن سے اسلام کی نصرت واعانت کی امیدیں وابستہ ہیں اور جو ان نادر روزگار شخصیات کی نمائندگی کرتے ہیں جن پر اسلامی عمل کا دارومدار ہے۔

فقہ جدید کی ضرورت:

اس وقت ہمیں ایک نئی فقہ ''بصیرت'' کی ضرورت ہے، تا کہ ہمارا شمار بھی ان لوگوں میں ہو سکے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قوم یفقھون'' (سورہ انعام ۹۸)۔

ترجمہ: ''یہ وہ لوگ ہیں جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں''

فقہ سے ہماری مراد ''اصطلاحی علم فقہ'' نہیں ہے جو ادلہ تفصیلیہ سے جزئی احکام شرعیہ کی معرفت کا نام ہے۔ جیسے پاکی ناپاکی، عبادات اور معاملات کے احکام، نکاح وطلاق، رضاعت اور اس جیسے احکام۔

یہ اصطلاحی فقہ اپنی اہمیت وافادیت کے باوجود آج ہماری گفتگو کا موضوع نہیں ہے اور نہ قرآن وحدیث میں یہ لفظ اصطلاحی فقہ کے مفہوم میں آیا ہے بلکہ بعد میں فقہاء نے اس لفظ کو اس مفہوم میں استعمال کیا ہے جیسا کہ امام غزالی نے اپنی معروف اور جامع کتاب ''احیاء علوم الدین'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔

قرآن کریم میں (ف، ق، ہ) کے مادہ کا ذکر ان مکی سورتوں میں ہوا ہے جو فرائض وواجبات کی فرضیت اور وجوب اور امر ونہی، حدود اور دیگر تفصیلی احکام کے نزول سے پیشتر نازل ہوئی ہیں۔ سورہ انعام کا مطالعہ کیجیے جو ایک مکی سورت ہے، اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''قل هو القادر على أن يبعث عليكم عذاباً من فوقكم أو من تحت أرجلكم أو يلبسكم شيعا ويذيق بعضكم بأس بعض، أنظر كيف نصرف الأيات لعلهم يفقهون'' (سورہ انعام ۶۵)۔

(کہو، وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب اوپر سے نازل کردے یا تمہارے

قدموں کے نیچے سے برپا کردے، یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزہ چکھادے۔ دیکھو ہم کس طرح بار بار مختلف طریقوں سے اپنی نشانیاں ان کے سامنے پیش کرر ہے ہیں شاید کہ وہ حقیقت کو سمجھ لیں)۔

اسی سورت میں ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وهو الذی أنشاكم من نفس واحدة فمستقر ومستودع، قد فصلنا الأيات لقوم يفقهون'' (سورہ انعام ۹۸)۔

(اور وہی ہے جس نے ایک جان سے تم کو پیدا کیا، پھر ہر ایک کے لیے ایک جائے قرار ہے اور ایک اس کے سونپے جانے کی جگہ، یہ نشانیاں ہم نے واضح کردی ہیں ان لوگوں کے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں)۔

ان دونوں آیتوں میں فقہ کا جو مفہوم پایا جاتا ہے وہ آفاق وانفس میں کارفرما اللہ کے ضابطوں پر غور وفکر اور اس کی مخلوق اور اس کی راہ سے روگردانی کرنے والوں کے انجام وسزا کے قوانین پر غور وخوض عبرت ونصیحت اور معرفت کا مفہوم ہے۔

اللہ تعالیٰ سورۂ احزاب جو مکی سورت ہے، میں ان افراد کی نشاندہی کرتے ہوئے انھیں محض اس لیے جہنم کا ایندھن قرار دیتا ہے کہ ان کے اندر غور وفکر اور تدبر کی صفت نہیں پائی جاتی۔

''لهم قلوب لايفقهون بها'' ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے غور وفکر نہیں کرتے۔

مزید ان کے بارے میں فرمایا گیا:

''أولئک كالأنعام بل هو أضل'' (سورہ اعراف/۱۷۹)۔

(یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں)۔

قرآن مجید کی بیشتر سورتوں میں جن میں مشرکین کے موقف اور ان کے احوال کی نشاندہی کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتا ہے:

"وجعلنا علی قلوبهم أكنة أن يفقهوه وفي اذانهم وقراً" (سورہ انعام ۲۵)۔

(ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ غور وفکر نہ کرسکیں اور ان کے کانوں میں بوجھ)۔

مدنی سورتوں میں بھی "فقہ" کا مادہ مختلف آیات میں بار بار آیا ہے تاہم ان میں بھی مشرکین سے غور وفکر اور معرفت وبصیرت کی نفی کی صورت میں یہی مفہوم پایا جاتا ہے۔

سورۂ انفال میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"يأ ايها النبي حرض المؤمنين على القتال إن يكن منكم عشرون صابرون يغلبوا مائتين وإن يكن منكم مأة يغلبوا الفاً من الذين كفروا بأنهم قوم لايفقهون" (انفال ۶۵)۔

(اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مومنین کو جنگ پر ابھارو، اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دوسو غیر مسلمین پر غالب آئیں گے۔ اور اگر تم میں سے سو ہوں تو وہ ایک ہزار کفار پر غالب آئیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ سمجھ بوجھ سے کام نہیں لیتے)۔

اس آیت میں قتال کرنے والے مشرکین سے فقہ یعنی سمجھ بوجھ کی نفی کی گئی ہے، یہاں فقہ سے اللہ کے ان ضابطوں اور قوانین میں فکر وتدبر مراد ہے جو فتح ونصرت اور گردش ایام میں جاری ہیں۔

سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ منافقین کی مذمت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''رضوا بأن یکونوا مع الخوالف وطبع علی قلوبهم فهم لایفقهون'' (توبہ: ۸۷)۔

(وہ اس پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہ جانے والوں کے ہمراہ رہ جائیں اور ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہے سو وہ سمجھتے نہیں)۔

اس آیت میں جس فقہ کی نفی کی گئی ہے اس سے جہاد کی اہمیت وضرورت، دین اسلام کی حمایت ونصرت کے لیے جان ومال کی قربانی اور امت مسلمہ کے مفادات کے بارے میں غور وفکر اور تدبر مراد ہے؛ کیوں کہ یہ تمام امور دوسری تمام فوری ضرورتوں اور مصلحتوں پر مقدم ہیں۔

اسی سورہ میں منافقین کی کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا گیا:

''وإذا ما أنزلت سورة نظر بعضهم إلی بعض هل یراکم من أحد ثم انصرفوا صرف الله قلوبهم بأنهم قوم لایفقهون'' (توبہ: ۱۲۷)۔

(جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہیں کہ کہیں کوئی تم کو دیکھ تو نہیں رہا ہے، پھر چپکے سے نکل بھاگتے ہیں۔ اللہ نے ان کے دل پھیر دیے ہیں کیوں کہ یہ ناسمجھ لوگ ہیں)۔

سورۂ حشر میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے منافقین کے بارے میں فرماتا ہے:

''لأنتم أشد رهبة فی صدورهم من الله ذلک بأنهم قوم لایفقهون'' (حشر: ۱۳)۔

(تم لوگوں کا خوف ان کے دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے، یہ اس لیے کہ یہ

ایسے لوگ ہیں جو سمجھ سے کام نہیں لیتے)۔

اور سورۂ منافقین میں فرمایا گیا:

''ذلک بأنهم امنوا ثم کفروا فطبع علی قلوبهم فهم لایفقهون''
(منافقون/ ۳)۔

(یہ محض اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے؟ کیوں کہ یہ ایسے ہیں جو سمجھ بوجھ نہیں رکھتے)۔

اسی سورہ میں آگے فرمایا گیا:

''هم الذین یقولون لاتنفقوا علی من عند رسول الله حتی ینفضّوا ولله خزائن السمٰوات والأرض ولکن المنافقین لا یفقهون'' (منافقون: ۷)۔

(یہی لوگ تو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس جمع ہیں، ان پر کچھ مت خرچ کرو، یہاں تک کہ وہ (آپ ہی) منتشر ہو جائیں گے؛ حالاں کہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے ہیں البتہ منافقین ہی نہیں سمجھتے)۔

ان آیات کی وجہ سے اہل نفاق کا وصف قرآنی یہ ہو گیا کہ یہ لوگ سمجھ بوجھ نہیں رکھتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ منافقین اپنے کو ذہین ترین افراد سمجھتے تھے۔ وہ ایمان وکفر کی دونوں رسیوں کے ساتھ کھلواڑ کرنا اور اپنی اس دورخی پالیسی سے دونوں جانب رہنا چاہتے تھے اور اس طرح وہ اپنے زعم کے مطابق اللہ اور اہل ایمان کو دھوکہ دے رہے تھے۔ چنانچہ جب وہ اہلِ ایمان سے ملتے تو کہتے کہ ہم بھی اہلِ ایمان ہیں اور جب وہ کفار ومشرکین سے تنہائی میں ملتے تو کہتے کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔

لیکن منافقین اپنی دورخی پالیسی میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے

رازکو فاش کردیا، ان کورسوا کیا اور بہت سی آیات میں ان کے مکروفریب کی قلعی کھول دی۔
سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"یخادعون اللہ والذین آمنوا وما یخدعون إلا أنفسھم وما یشعرون" (بقرہ۹)۔

(منافقین اللہ اور اہل ایمان کو دھوکہ دے رہے ہیں؛ حالانکہ وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں مگر انہیں اس کا احساس نہیں ہے)۔

منافقین کی رسوائی اللہ کے نزدیک بھی ہوئی اور لوگوں کے نزدیک بھی، اور دنیا اور آخرت دونوں جہاں کا خسارہ ان کا مقدر بنا، اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمادیا:

"أن المنافقین فی الدرک الأسفل من النار" (نساء۱۴۵)

(منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے)۔

تو بھلا اس حماقت ونادانی سے بڑھ کر اور کیا حماقت ونادانی ہوسکتی ہے کہ آدمی نہ اس جہاں کا رہا اور نہ اس جہاں کا، اور جب منافقین کا یہ حال ہے تو بلاشبہ ان کے پاس عقل وفکر نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

خلاصہ: ماحصل یہ ہے کہ لغت قرآن میں فقہ سے اصطلاحی فقہ مراد نہیں ہے بلکہ اس سے اللہ کی آیات میں اور کائنات، حیات انسانی اور معاشرے میں جاری وساری اللہ کے ضابطوں اور قوانین پر غور وفکر اور تدبر مراد ہے۔

اسی طرح سورۂ توبہ میں جو "تفقہ فی الدین" کا ذکر ہے اس سے بھی اصطلاحی فقہ مراد نہیں ہے۔

”وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْن“ (التوبة: ۱۲۲)۔

(اور مؤمنین کو نہیں چاہئے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں، یہ کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے ایک حصہ نکل کھڑا ہوا کرے تا کہ (یہ باقی لوگ) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں، اور تا کہ یہ قوم کو ڈراتے رہیں جب وہ ان کے پاس آجائیں، عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں)۔

اس تفقہ فی الدین سے فقہ تقلیدی مراد نہیں ہے؛ کیوں کہ فقہ تقلیدی کے نتیجہ میں انذار پیدا نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ فریضۂ دعوت کی ادائیگی کی راہ میں فقہ تقلیدی رکاوٹ بنتی ہے۔ ایسے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ”مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْراً يَفقهه في الدين●

(اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اس کی بصیرت کو روشن کر دیتا ہے، جس کے نتیجہ میں وہ حقائقِ دین اور اس کے اغراض و مقاصد کی تہہ تک رسائی حاصل کرتا ہے، صرف اس کے الفاظ اور ظاہری حقیقتوں پر اس کی نگاہ نہیں رہتی۔

مطلوبہ فقہ کی اقسام

میں نے اپنی متعدد تحریروں میں مطلوبہ فقہ کی قسمیں بیان کی ہیں۔ میں نے اپنی

کتاب ''الصحوة الاسلامیہ بین الاختلاف المشروع والتفریق المذموم'' میں اس کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں۔اس کا موضوع ''فقہ الاختلاف'' ہے جو مطلوبہ فقہ کے اقسام میں سے ایک قسم ہے مگر اس جگہ میں ان میں سے صرف دو کے ذکر پر اکتفا کروں گا جو حسبِ ذیل ہیں:

۱۔فقہ الموازنات

۲۔فقہ الاولویات

فقہ الموازنات سے ہماری مراد چند امور ہیں:

(الف) مصالح کے مابین حجم، وسعت، عمق وتاثیر اور بقاء ودوام کے لحاظ سے موازنہ کرنا کہ ان میں سے کس کو مقدم رکھا جائے اور کس کا اعتبار کیا جائے اور ان میں سے کس کو لغو قرار دے کر ساقط کیا جائے۔

(ب) اسی طرح مذکورہ جہتوں سے مفاسد کے مابین موازنہ کرنا کہ ان میں سے کس کو مقدم کرنا واجب ہے اور کس کو مؤخر اور ان میں سے کس کو ساقط کیا جائے۔

(ج) اگر مفاسد اور مصالح کے مابین تعارض ہو جائے تو ان میں موازنہ کرنا کہ جلبِ مصلحت پر کب دفع ضرر ہوگا اور کب مصلحت کی بنا پر مفسدہ قابلِ معافی امر ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ ہمیں اس مقام پر دو مساوی فقہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

۱-فقہ شرعی

جو نصوص شرع اور اس کے مقاصد کے عمیق اور گہرے فہم پر مبنی ہوتا کہ فقہ الموازنات کی صحت تسلیم کی جا سکے۔اس کے دلائل ہر اس شخص پر روشن ہوں گے جس نے

احکام شرعیہ کی تحقیق وتدقیق کی ہوگی اور اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کی ہوگی؛ اس لیے کہ شریعت کی آمد کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ بندوں کے مصالح کو ان کے معاش ومعاد میں ملحوظ رکھے اور ان مصالح کو ضرورت، حاجت اور تحسین کی بنیاد پر مقدم ومؤخر کرے۔

۲- فقہ واقعی

جو زندہ حقائق، ہمہ پہلو، دقیق اور بالاستیعاب مطالعہ اور تحقیق پر مبنی ہو، اور جس کا مطالعہ غیر حقیقی اور غیر مستند پروپیگنڈے، ناقص معلومات اور نامکمل رپورٹوں کے گمراہ کن اعداد وشمار کے بجائے قابلِ اعتماد معلومات اور صحیح اور دقیق رپورٹوں اور اعداد وشمار کی روشنی میں کیا جائے، اور جس میں کسی خاص جزوی مقصد کے حصول کے برخلاف حقیقی اور کلی مقاصد کے حصول کو پیشِ نظر رکھا گیا ہو۔

چنانچہ اس کے لیے ضروری ہے کہ فقہ واقعی اور فقہ شرعی دونوں کامل ہوں تاکہ اس کے نتیجہ میں ایسے علمی موازنہ کی طرف رسائی ہو سکے جو درست اور ہر افراط وتفریط اور مبالغہ آرائی اور غلو پسندی سے پاک ہو، اور جہاں تک اس سلسلہ میں شرعی پہلو کا تعلق ہے تو وہ بالکل واضح ہے اور اصول فقہ کی کتابیں المستصفی، الموافقات، قواعد، الاشباہ اور فروق کی کتابیں اس سے بھری ہوئی ہیں کہ اگر مصالح کے مابین تعارض پیدا ہو جائے تو اخروی مصلحت کے پیش نظر دنیوی مصلحت متروک ہوگی، اور مصلحتِ عامہ کی خاطر مصلحتِ خاصہ کو برداشت کیا جائے گا؛ البتہ مصلحتِ خاصہ والے کو اس کے مصالح کے فوت ہونے کا عوض دیا جائے گا یا مصلحتِ خاصہ کے فوت ہونے سے اسے جو ضرر لاحق ہوا ہو اس کی تلافی کی جائے

گی۔ اس طرح دائمی اور طویل المیعاد مصلحت کی خاطر عارضی مصلحت چھوڑ دی جائے گی، اور بنیادی وجوہری مصلحت کی وجہ سے ظاہری وشکلی مصلحت نظر انداز کر دی جائے گی، اور ظنی وخیالی مصلحت پر یقینی مصلحت کو فوقیت دی جائے گی۔

صلح حدیبیہ میں یہ بات بہت واضح انداز میں سامنے آتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل میں پیش آنے والے حقیقی اور اساسی مصالح کے پیش نظر وقتی مصالح اور اعتبارات کو نظر انداز کر دیا تھا جن پر بعض صحابہ کو اصرار تھا اور مصالح کی بنا پر ہی آپؐ بعض ایسی شرائط قبول کرنے پر رضا مند ہو گئے تھے جن کو قبول کرنے میں بیک نظر امت مسلمہ کو سبکی محسوس ہو رہی تھی؛ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر بھی آمادہ ہو جاتے ہیں کہ صلح نامہ سے بسم اللہ کے حروف مٹا دیے جائیں اور اس کی جگہ پر ''باسمک اللہم'' لکھا جائے اور یہ کہ صلح نامہ سے وصفِ رسالت (رسول اللہ) مٹا کر صرف محمد بن عبد اللہ لکھا جائے۔ اس طرح کی بہت ساری مثالیں ہیں۔

اور جب مفاسد اور مضار میں تعارض ہو جائے اور ان سے چھٹکارہ پانے کی کوئی صورت نہ ہو تو اس صورت میں جس میں مفسدہ کم ہو اور جس کا ضرر ہلکا ہو اسے اختیار کیا جائے گا، جیسا کہ فقہاء نے اصول بیان کیا ہے کہ ضرر کو حتی الامکان دور کیا جائے گا، اور ضرر کو اس کے مثل یا اس سے بڑے ضرر کے ذریعہ دور نہیں کیا جائے گا اور یہ کہ ضرر اعلیٰ کے دفاع کی خاطر ضرر ادنیٰ گوارہ کر لیا جائے گا۔ اور ضرر عام کو دور کرنے کے لیے ضرر خاص برداشت کر لیا جائے گا اس کی بے شمار مثالیں اور تطبیقات ہیں جو قواعد فقہ اور اشباہ ونظائر کی کتابوں میں منقول ہیں۔

اور اگر مصالح ومفاسد اور منافع ومضار کے مابین تعارض ہو جائے تو اصول یہ ہے

کہ مصلحت ومفسدہ میں سے ہر ایک کے حجم، اثر اور انجام کو دیکھا جائے گا، اگر کسی مفسدہ کے ارتکاب کی صورت میں بڑی مصلحت کا حصول متوقع ہو تو اسے گوارہ کرلیا جائے گا، اسی طرح اگر مفسدہ خواہ وہ بڑا ہی کیوں نہ ہوتا ہم اس کے ارتکاب میں اس سے بڑے مفسدہ کا ازالہ ہوتا ہو تو اسے قبول کرلیا جائے گا، اور عام حالات میں دفع ضرر جلبِ منفعت سے مقدم ہوگا۔

اہم بات یہ نہیں ہے کہ ہم اس فقہ کو صرف نظری اور علمی اعتبار سے تسلیم کریں بلکہ اسے ہم عملی زندگی میں نافذ بھی کریں۔

ان موازنات پر بہت سے وہ مسائل ومعاملات موقوف ہیں جن کے اسباب میں اختلاف پایا جاتا ہے، مثلاً:

۱- کیا کسی غیر اسلامی طاقت کے ساتھ معاہدہ کیا جاسکتا ہے؟

۲- غیر اسلامی حکومتوں سے مصالحت کی جاسکتی ہے اور ان کے ساتھ مداہنت کا رویہ اختیار کیا جاسکتا ہے؟

۳- کیا کسی ایسے حکم میں شرکت کی جاسکتی ہے جو پورے طور پر غیر اسلامی ہو؟ یا کسی ایسے دستور وقانون کا سہارا لیا جاسکتا ہے جسے ہم کلی طور پر پسند نہیں کرتے؟

۴- کیا سودی اقتصادی نظام کے ساتھ اسلامی نظامِ اقتصادیات کا قیام ہمارے لیے ممکن ہے؟

۵- کیا ہم مسلم افراد کو اس کی اجازت دے سکتے ہیں کہ وہ بینکوں اور سودی اداروں میں ملازمت کریں؟ یا اس طرح کی ملازمت سے ہر دیندار مسلمان علیحدہ رہے؟

اس سلسلہ میں تنقیح مسئلہ تو آسان ہے مگر اسے عملی جامہ پہنانا اور اس کی ممارست مشکل امر ہے؛ کیوں کہ فقہ الموازنات ہر اس شخص کے لیے مشکل امر ہے جو ادنیٰ سبب سے

بھی تشویش اور پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے۔

چنانچہ علامہ مودودی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی جماعت نے جب فقہ الموازنات کی روشنی میں ایوب خاں کے مقابلے میں مسٹر جناح کی بہن فاطمہ جناح کے انتخاب کو ترجیح دی، تو ان پر مخالفین نے حدیثِ رسول: "لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً" (وہ قوم ہرگز فلاح یاب نہیں ہو سکتی جس نے کسی عورت کو اپنا رہنما بنایا) کی بنیاد پر اعتراضات کی بوچھار کر دی مگر ان حضرات نے یہ نہیں سوچا کہ کیا وہ قوم فلاح یاب ہو سکتی ہے جس نے ظالم و جابر افراد کو اپنا قائد بنایا۔ ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی!

اس جگہ کا تقاضہ یہ ہے کہ غور و فکر کیا جائے کہ دو شر میں سے کون سا شر خفیف ہے، اور دونوں برائیوں میں سے کون سی برائی ہلکی ہے، لہٰذا اعلیٰ کے مقابلے میں ادنیٰ کو اختیار کیا جائے۔

اسی طرح ڈاکٹر حسن الترابی اور ان کے اخوان نے سوڈان میں نمیری دورِ اقتدار میں اشتراکی اتحاد میں شرکت کی اور ان کی طرف سے بعض مناصب بھی قبول کر لیے؛ چنانچہ انھیں بھی بعض اسلامی جماعتوں کی طرف سے سخت ردِ عمل کا سامنا کرنا پڑا۔

اسی طرح برادرانِ سوریا نے جب اس نظام کی بیخ کنی کے لیے جو ان کا صفایا کرنا چاہتا تھا، بعض غیر اسلامی طاقتوں کے ساتھ معاہدہ کر لیا تو ان کے خلاف بھی اسی قسم کا ردِ عمل سامنے آیا، حالانکہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ خزاعہ سے ان کے مشرک ہونے کے باوجود معاہدہ کیا تھا اور بعض مشرکین کے خلاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے تعاون بھی لیا تھا۔

اس جگہ میری گفتگو کا نشانہ تو اس طرح کے موقف اختیار کرنے والے افراد کی

نصرت وحوصلہ افزائی ہے اور نہ ان کے مخالفین کی ، بلکہ صرف فقہ الموازنات کی اساس کو ثابت کرنا ہے جس پر سیاست شرعیہ کی بنیادو اساس ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے مواقف اور ادلۂ شرع میں اس کی تائیدات موجود ہیں ۔مثلاً:

۱۔ غیر اسلامی حکومت میں شرکت کا جواز۔

۲۔ غیر اسلامی طاقتوں کے ساتھ معاہدے کی اجازت۔

قرآن کریم کی مکی و مدنی سورتوں میں غور وفکر کرنے والا شخص فقہ الموازنات اور ترجیح سے متعلق بہت سے دلائل پائے گا۔مصالح کے مابین موازنہ کرنے کے سلسلے میں حضرت ہارون علیہ السلام کی زبانی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"قَالَ يَا ابْنَ أُمَّ لَاتَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي" (طٰہٰ/۹۴)۔

اے میرے بھائی! میری داڑھی اور سر کومت پکڑو، مجھے تو اس بات کا اندیشہ تھا کہ آپ یہ نہ کہہ دیں کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان تفرقہ ڈال دیا اور میرے حکم کا انتظار نہیں کیا۔

اور مفاسد وضرر کے مابین موازنہ کرنے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استشہاد کیا جا سکتا ہے جو قرآن میں کشتی کے توڑنے کی علت بیان کرتے ہوئے حضرت خضر کی زبانی بیان ہوا ہے:

"أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْباً" (سورۂ کہف/۷۹)۔

(بہر حال وہ کشتی چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کرتے تھے۔میں نے اسے اس لیے عیب دار بنا دیا کیوں کہ ان کے پیچھے ایک ایسا بادشاہ تھا جو ہر اچھی کشتی کو غصب

کرلیتا تھا)۔

کیوں کہ کشتی کا عیب دار ہوکر کشتی والوں کی ملکیت میں رہنا اس کے ضائع ہونے سے بہتر ہے، کلی ضیاع کے مقابلے میں جزوی ضیاع بہتر اور اولیٰ ہے۔موازنات کی تائید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس سے زیادہ بلیغ اور مؤثر ہے:

''یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْه قُلْ قِتَالٌ فِیْه کَبِیْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَکُفْرٌ بِه وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِه مِنْهُ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ'' (بقرہ/۲۱۷)۔

وہ لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال کرنے کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ فرمادیجئے کہ اس میں قتال کرنا بڑے گناہ کی بات ہے، اور اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنا، اللہ کا انکار کرنا، مسجد حرام سے روکنا، اور اس کے رہنے والوں کو اس سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے، اور فتنہ انگیزی، خوں ریزی سے بڑھ کر ہے)۔

اس آیت کریمہ میں بتایا گیا کہ شہر حرام میں قتال کرنا تو یقیناً بڑا گناہ ہے لیکن اگر اعظم برائی کو ختم کرنے کے لیے اس کا ارتکاب کیا جائے تو اسے گوارہ کیا جائے گا۔

معنوی اور مادی صالح کے مابین موازنہ کرنے کے سلسلے میں ہمیں قرآن کریم کی وہ آیت پیش نظر رکھنی چاہیے جو غزوۂ بدر کے سلسلے میں مسلمانوں کی سرزنش کے لیے نازل ہوئی تھی:

''مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَه اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا وَاللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ'' (انفال/۶۷)۔

کسی نبی کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ

دشمنوں کو زمین میں اچھی طرح نہ کچل دے۔تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو جب کہ اللہ کے پیشِ نظر آخرت ہے اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔

مصالح اور مفاسد کے درمیان موازنہ کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا اِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا'' (بقرہ/۲۱۹)۔

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کی بابت سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں مگر ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑھ کر ہے۔

غیر اسلامی جماعتوں اور طاقتوں کے مابین موازنہ کرنے کے سلسلے میں سورۂ روم کی ابتدائی آیتیں ہیں جس میں رومیوں کے اہل فارس پر غالب ہونے کا تذکرہ ہے حالاں کہ دونوں فریق غیر مسلم تھے۔مگر چونکہ اہل روم اہلِ کتاب تھے اس بنیاد پر وہ آگ کے پرستار مجوسیوں کے مقابلے میں مسلمانوں سے زیادہ قریب تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا اس سلسلے میں بڑا واضح بیان ہے کہ ظالم حکومت میں اگر کوئی شخص اس نیت سے کوئی عہدہ قبول کرتا ہے کہ وہ ظلم کو کم کرنے کی یا شر وفساد کو جڑ سے اکھاڑنے کی بھرپور سعی کرے گا تو ایسے شخص کے لیے ظالم حکومت کی طرف سے دیا گیا عہدہ قبول کر لینا جائز ہوگا۔

ایک جگہ شیخ الاسلام نے مستقل ایک فصل اس بارے میں قائم کی ہے کہ اگر حسنات کے مابین، یا سیئات کے مابین یا ان دونوں کے مابین تعارض ہو جائے اور حسنات وسیئات کے مابین تفریق ممکن نہ ہو بلکہ صورتحال یہ ہو کہ یا تو ان دونوں پر عمل کیا جائے یا

ان دونوں کوترک کردیا جائے تو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

بعض جماعتیں جو اسلامی اقتصادیات میں تخصص کا درجہ رکھتی ہیں، اس کے فقہاء اور ماہرینِ اقتصادیات نے یہ فتویٰ دیا کہ:

''اسلامی ممالک کے وہ مالیاتی ادارے اور کمپنیاں جو نفع کو تمام شرکاء اور حصہ داروں پر تقسیم کرتی ہیں، ان کا طریقۂ عمل مباح ہوتا ہے، مگر اس میں سود کا شائبہ بھی پایا جاتا ہے....... اس طرح کی کمپنیوں اور اداروں میں شرکت مشروع ہے''۔

ان حضرات کا یہ فیصلہ فقہ الموازنات پر مبنی ہے۔

کیا اس طرح کی اہم اور موثر کمپنیاں صرف غیر مسلم یا متدین مسلمانوں کے لیے چھوڑ دی جائیں؟ اس میں بڑا خطرہ ہے۔ خاص طور پر بعض ممالک میں .... جب کہ اس طرح کے اداروں اور کمپنیوں میں شرکت کی صورت میں حصہ دار کے لیے یہ ممکن ہے کہ نفع کے جتنے حصّوں میں سودی نفع کا اشتباہ ہوگیا ہے اسے فقراء مسلمین پر صدقہ کردے۔

فقہ الموازنات ہی کی روشنی میں یہ فتویٰ دیا گیا ہے کہ مسلم متدین نوجوان بینکوں اور بیمہ کمپنیوں کی ملازمت ترک نہ کریں، اگرچہ انھیں اس صورت میں بعض گناہ کے کاموں میں بھی ملوث ہونا پڑتا ہے مگر ان کی نیت یہ ہونی چاہئے کہ وہ اسے اسلامی نظامِ اقتصادیات میں بدلنے کی کوشش کریں گے اور امرِ منکر کا انکار کرتے رہیں چاہے یہ انکار صرف دل سے ہی کیوں نہ ہو۔

اگر ہم نے فقہ الموازنات کا لحاظ نہیں کیا تو ہمارا یہ عمل اپنے لیے خوشحالی اور رحمت کے دروازے بند کرلینے، تمام معاملات میں فلسفۂ عدمِ قبولیت کو اختیار کرنے، مشکلات ومصائب سے فرار کی راہیں تلاش کرکے اپنی ذات کے خول میں بند ہوجانے اور اپنے ہی

پیروں پر کلہاڑی مار لینے کے مترادف ہوگا۔

ہمارے لیے یہ بات آسان ہے کہ ہم ہر معاملہ میں فکر واجتہاد سے کام لیے بغیر ''ناجائز''، نہیں اور ''حرام'' کہ دیں۔

تاہم فقہ الموازنات کی روشنی میں ہم قوانین کے مابین مقارنت، احوال کے مابین امتیاز، آمدنیوں اور نقصانات کے درمیان موازنہ، انفرادی اور اجتماعی ضرورت کے درمیان تفریق کی راہ پاسکتے ہیں، پھر یہ بات ہمارے اوپر منحصر ہے کہ جلب مصلحت یا دفع ضرر میں سے جسے چاہیں ترجیح دیں۔

مجھے قطر سے نکلنے والے 'دوحہ' نامی ایک ادبی اور ثقافتی رسالے میں لکھنے کے لیے سالوں کہا جاتا رہا جو سیکولر ذہنیت کے حامل افراد کے زیرِ صدارت شائع ہوتا ہے اور جو اسلام سے اگر دور نہیں تو اسلام سے قریب یا اس کو دفاع کرنے والے بھی نہیں ہیں۔ میں بہت دنوں تک پس وپیش میں رہا پھر میں نے جب فقہ الموازنات کی روشنی میں غور کرنا شروع کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ میرا اس رسالہ سے منسلک رہنا اس سے کنارہ کش رہنے کے مقابلے میں زیادہ نافع اور مفید ہے؛ کیونکہ اس کے قارئین جدید خیالات کے مالک ہیں، ''الامۃ'' اور اس طرح کے رسالوں کو نہیں دیکھتے جب کہ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی باتیں ان تک بھی پہنچائیں اور فریضۂ دعوت حق انجام دیں۔

اس بنیاد پر میں بعض ایسے پرچوں اور رسالوں میں شریک ہوجاتا ہوں جن کی تحریروں سے میں متفق نہیں ہوتا۔ بعض اصحاب ان افراد پر ہمیشہ نکیر کرتے رہتے ہیں جو ایسے روزناموں میں مضامین لکھتے ہیں جو اسلامی تحریروں کا التزام نہیں کرتے۔

جب میری کتاب ''الصحوۃ الاسلامیۃ بین الاختلاف المشروع والتفرق المذموم''

سعودیہ کے اخبار ''الشرق الاوسط'' میں قسط وار شائع ہوئی تو بعض دوستوں نے مجھے بھی نشانہ تنقید بنایا، کیوں کہ اس کتاب کے بعض مواقف سے انھیں اتفاق نہیں تھا، مگر میرے نقطۂ نظر سے اس کی اشاعت میں لوگوں کا فائدہ تھا۔

اس سلسلے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پڑھنے، سننے اور دیکھنے سے متعلق وسائل نشر واشاعت کا استعمال فکر وعمل کی گمراہی کا سبب بن سکتا ہے؛ حالانکہ وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اس سے مکمل اجتناب عقل وضمیر کے لیے ایک عظیم خطرہ کی صورت میں سامنے آئے گا اور اس سے مزید گمراہی اور فساد وانحراف کا اندیشہ ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان پر آزاد خیال اور تجدد پسند حضرات غالب آجائیں جس کے نتیجہ میں فتنہ وفساد رونما ہوسکتا ہے اور ہم اس سے بھی محروم ہوسکتے ہیں۔ پھر سوائے ہاتھ ملنے کے ہمیں کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

اور جو شخص بھی فقہ الموازنات کی روشنی میں غور کرے گا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس طرح کے اہم میدانوں میں شریک ہونا نہ صرف یہ کہ مشروع ہے، بلکہ مستحب ہے اور اگر اس سے آگے بڑھ کر یہ کہا جائے کہ واجب ہے تو بے جا نہ ہوگا، کیوں کہ یہ دعوت وتبلیغ کی امانت کی ادائیگی کا ذریعہ اور باطل ومنکر کو بقدر استطاعت ختم کرنے کا وسیلہ ہے، اور جو چیز واجب کی تکمیل کے لیے ذریعہ ووسیلہ کی حیثیت رکھتی ہو، اصول فقہ کے مطابق وہ بھی وجوب کا درجہ رکھتی ہے۔

فقہ الاولویات

فقہ الاولویات سے ہماری مراد یہ ہے کہ ہر شے کو وہی مقام ومرتبہ دیا جائے جس

کی وہ مستحق ہے، مقدم کو موٴخر اور موٴخر کو مقدم نہ کیا جائے، اور نہ کسی امر کو چھوٹا سمجھا جائے اور نہ کسی چھوٹے امر کو بڑا۔

دنیا کے قوانین ہی اس کا مطالبہ نہیں کرتے بلکہ احکامِ شرعی بھی اسی کا حکم دیتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کا حکم "ألا له الخلق و الأمر" دونوں اس ترتیب کی رعایت کو واجب قرار دیتے ہیں۔

عہد مکی میں رسول اللہ ﷺ کی مہم صرف دعوت الی اللہ اور اہلِ ایمان کی تربیت پر مرکوز تھی تا کہ اس تربیت کے نتیجہ میں وہ اس دعوت کو اہلِ عرب اور پھر تمام دنیا تک پہنچا سکیں۔ آپ کی ساری کوششیں اور توجہات صرف اس بات پر مرتکز تھیں کہ لوگوں کے دلوں میں اصولِ عقیدہ، توحید اور اللہ وحدہ کی کامل بندگی کا جذبہ راسخ ہو جائے۔ ان کے دلوں میں شرک سے نفرت اور طاغوت سے تنفر ہو جائے اور وہ فضائل و مکارمِ اخلاق سے مزین ہو جائیں اور اس مرحلے میں قرآن کریم بھی اسی طرز پر لوگوں کا تزکیہ کر رہا تھا، اس دور میں مسلمان مسائلِ جزئیہ اور احکام فروعیہ کے بکھیڑوں میں نہیں پڑے تھے بلکہ ان کی تمام تر توجہات انسانی بنیادوں پر مرکوز تھیں جن کے بارے میں سورۃ والعصر میں کہا گیا ہے:

"وَالْعَصْرِ، اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ، اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ، وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ"

زمانے کی قسم، انسان درحقیقت خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

اس وقت مسلمانوں کو اس بات کی اجازت ہرگز نہیں تھی کہ وہ اپنے کندھوں پر پھاوڑا اٹھائے پھریں اور بتوں کا صفایا کرتے پھریں جنھیں وہ شب و روز بیت اللہ کے ارد

گر دو دیکھتے تھے بلکہ انھیں اپنی دفاع کے لیے تلوار اٹھانے اور اپنے اور اللہ کے دشمنوں کا قلع قمع کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی؛ بلکہ قرآن کریم نے جو پیغام انھیں دیا تھا وہ یہ تھا:

''كُفُّوا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ'' (سورۂ نساء ۷۷)۔

''اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز پڑھتے رہو''

حالانکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس حالت میں آتے کہ وہ زخمی اور لہولہان ہوتے۔

ہر چیز کے لیے ایک مناسب وقت ہوتا ہے اگر وقت سے پہلے عجلت پسندی کا مظاہر کیا جائے تو اکثر نفع کے بجائے نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

فقہ الاولویات، فقہ الموازنات کے ساتھ مربوط ہے اور بعض سورتوں میں تو دونوں ایک دوسرے میں مدغم یا ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہو جاتے ہیں؛ کیونکہ کبھی کبھی، فقہ موازنہ فقہ اولویۃ تک جا پہنچتا ہے، اور اس صورت میں وہ فقہ اولویات میں مدغم ہو جاتا ہے۔

اسلام میں عقیدہ عمل پر مقدم ہے۔عقیدہ بنیاد واساس ہے اور عمل اس کی عمارت، اور حقیقت یہ ہے کہ بغیر بنیاد کے عمارت قائم نہیں رہ سکتی۔ اعمال عقیدہ کے بعد آتے ہیں۔ اور ان دونوں میں ایک بہت بڑا فرق ہے، جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں، ان میں سے اعلیٰ ''لا إلــه إلا الـلـه'' اور ادنیٰ، راستے سے تکلیف پہنچانے والی چیز کا ہٹانا ہے۔

قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نزدیک فضیلت کے اعتبار سے اعمال کے مختلف درجے ہیں، تمام اعمال ایک درجہ کے نہیں ہیں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے:

''اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، لَايَسْتَوُوْنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَايَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ● اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ'' (توبہ ۱۹-۲۰)۔

(کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجدِ حرام کی مجاوری کرنے کو اس شخص کے کام کے برابر ٹھہرالیا ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور روز آخر پر اور جس نے جانفشانی کی اللہ کی راہ میں؟ اللہ کے نزدیک تو یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اور اللہ ظالموں کی رہنمائی نہیں کرتا۔ اللہ کے ہاں تو انہی لوگوں کا درجہ بڑا ہے جو ایمان لائے اور جنھوں نے اس کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جان و مال سے جہاد کیا، اور وہی لوگ کامیاب ہیں)۔

اسی بنیاد پر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے تحریر کیا ہے کہ:

''اعمالِ جہاد کی جنس، اعمالِ حج کی جنس سے افضل و اعلیٰ ہے''۔

بلکہ فقہاء حنابلہ اور دیگر فقہاء نے بھی ذکر کیا ہے کہ نفلی عبادات میں بدنی عبادات جہاد ہی ہیں۔

جہاد کی فضیلت متعدد احادیث میں وارد ہوئی ہے، ان میں سے ایک روایت وہ ہے جسے حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

''رسول اکرم ﷺ کے ایک صحابی کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو میٹھے چشمے پر آباد تھی، انھیں وہ قوم بڑی بھلی معلوم ہوئی۔ انھوں نے فرمایا کہ اگر میں لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرسکتا تو اس قبیلہ میں آکر آباد ہو جاتا۔ مگر میں ایسا رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر نہیں

کر سکتا۔ انھوں نے واپسی میں رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا! ایسا ہرگز مت کرنا۔ تم میں سے کسی کا اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے کھڑا رہنا، گھر میں ستر سالوں تک عبادت کرنے سے بھی افضل ہے"۔ (الحدیث)

اور رباط (سرحدوں کی حفاظت) کی فضیلت میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

"ایک دن رات سرحد پر پہرہ دینا ایک مہینہ کے روزے اور اس کے قیام (نماز تہجد وغیرہ) سے افضل ہے، اور اگر اسی دوران اس کا انتقال ہو جائے تو اس کا یہ عمل برابر جاری رہے گا، اس کو اس کا رزق ملتا رہے گا اور وہ ہر طرح کے فتنوں سے محفوظ رہے گا"۔

مشہور امام عبد اللہ بن المبارک سرحد کی حفاظت پر مامور تھے۔ اسی دوران انھوں نے اپنے رفیق، وقت کے بڑے عابد و زاہد فضیل بن عیاض کے نام خط میں تحریر فرمایا جو اس وقت حرمین (مکہ و مدینہ کے درمیان) میں عبادت میں مشغول تھے۔

"اے حرمین کے عبادت گزار! اگر تو ہمیں دیکھے گا تو پتہ چلے گا کہ تو عبادت کے ساتھ مذاق کر رہا ہے؛ کیونکہ جس وقت تیرے رخسار آنسوؤں سے خضاب لگاتے ہیں اس وقت ہماری گردنیں خون سے رنگین ہوتی ہیں"۔

اصول فقہ کا ضابطہ ہے کہ:

"نفلی عبادت کو فرائض پر مقدم کرنا جائز نہیں، اور فرض عین فرض کفایہ پر مقدم ہے، اور وہ فرض کفایہ جسے ایک یا چند افراد نے دشمن سے حملے سے بچاؤ کی خاطر انجام نہ دیا ہو، اس فرض کفایہ پر مقدم ہے جسے اس شخص نے انجام دیا ہو جسے دشمن سے راستوں کی حفاظت کرنی تھی اور ان کے حملوں سے امت کو بچانا تھا۔ اور وہ فرض عین جو جماعت اور

امت سے متعلق ہو، وہ اس فرض عین پر مقدم ہوگا جس کا تعلق افراد کے حقوق سے ہو۔ اور وہ واجب جس کا وقت محدود ہو اسے اس واجب کے مقابلے میں ترجیح دی جائے گی جس کے وقت میں وسعت ہوگی''۔

اسی طرح اصولی ضابطہ یہ بھی ہے کہ '' مصالح مقررہ آپس میں متفاوت ہوں گی، وہ مصالح جو از قبیل ضروریات ہوں، وہ ان مصالح پر مقدم ہوں گی جن کا تعلق حاجت و تحسین سے ہو۔''

اسی طرح وہ مصالح جن کا تعلق امت کے مصالح اور ان کی حاجات سے ہو، انھیں ان مصالح پر تعارض کے وقت فوقیت حاصل ہوگی، جن کا تعلق افراد کی مصلحتوں سے ہو۔ اس جگہ ہم دیکھتے ہیں کہ فقہ الموازنات، فقہ الاولویات کے ساتھ مل جاتی ہے۔ فقہ الاولویات کا نگاہوں سے اوجھل ہوجانا ہی اس وقت اکثر اسلامی جماعتوں کی سب سے بڑی خرابی ہے۔ اصول کو نظر انداز کر کے فروع کے ساتھ پورا اہتمام کیا جاتا ہے اور کلیات سے چشم پوشی کر کے جزئیات پر توجہات مرکوز کی جاتی ہیں۔ متفق علیہ مسائل کو چھوڑ کر مختلف فیہ مسائل کا سہارا لیا جاتا ہے۔ مچھر کے خون کے بارے میں تو پوچھا جاتا ہے مگر حضرت حسین کا خون ان کے نزدیک ہدر (معاف) ہے۔ بہت سی ضروری چیزوں کو نفلی چیزوں کی بنا پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ حقائق کو نظر انداز کر کے ظاہری شکل وصورت اور ہیئت کو اہمیت دی جاتی ہے۔

اس وقت یہی حال عام مسلمانوں کا ہے، ہر سال لوگ رمضان اور غیر رمضان میں لاکھوں کی تعداد میں عمرہ کرتے ہیں، ان میں سے بعض دسویں یا بیسویں بار حج کرتے ہیں، ان نوافل کی ادائیگی میں جو اخراجات آتے ہیں اگر انھیں جمع کیا جائے تو اربوں کی تعداد کو پہنچ جائیں۔ ہم لوگ فلاحی امور کے لیے سالوں سے ایک ارب روپے جمع کرنے کی

کوشش کررہے ہیں مگر اب تک اس کا ایک تہائی بھی جمع نہیں ہو پایا ہے۔ اگر یہ افراد نفلی حج وعمرہ میں کمی کردیں اور ان رقموں کو ان مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد میں صرف کریں جو آسٹریلیا یا افریقہ میں پریشاں حال ہیں تو کیا ان کا یہ عمل عند اللہ نا قابلِ قبول ہوگا؟ مگر یہ ایک پُرانا مرض ہے، جس کی شکایت اطباءِ قلب نے کی ہے۔

فقہ الاولویات کا تقاضہ یہ ہے کہ:

''ہم اس بات کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کریں کہ امور ومسائل میں اولیت واہمیت کن کو حاصل ہے، پھر ان پر اپنی توجہ صرف کریں اور دوسروں کے مقابلہ میں اس پر زیادہ وقت لگائیں''۔

فقہ الاولویات کا تقاضہ ہے کہ:

''ہم یہ بات جاننے کی کوشش کریں کہ دشمنوں میں سے ہم کس پر توجہ کریں اور کس کو پہلے حملے کا نشانہ بنائیں اور کس معرکہ سے اس کا آغاز کیا جائے؛ کیوں کہ انسان اسلام کی نظر میں یا تو مسلمان ہے یا کافر یا منافق، مسلمانوں میں بھی بعض ان پڑھ ہیں اور بعض ذی علم۔

کفار میں سے بعض وہ ہیں جو ہمارے ساتھ مصالحت کے خواہاں ہیں اور بعض وہ ہیں جو ہم سے برسرپیکار رہیں۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن کا جرم صرف کفر ہے اور بعض وہ ہیں جنھوں نے کفر کے ساتھ اللہ کے بندوں کو بھی اس کے راستے سے روکنے کا جرم کیا ہے۔ اور منافقین میں سے بعض چھوٹے نفاق والے ہیں اور بعض بڑے نفاق والے ہیں''۔

تو ہم کس سے آغاز کریں؟ اور کس جہت سے عمل شروع کریں؟ کون سا امر زیادہ رعایت کے لائق ہے؟

فقہ الاولویات کا تقاضہ ہے کہ:

''ہم وقت کے تقاضوں کو پہچانیں اور ان کو دوسرے امور پر فوقیت دیں اور ان کی اہمیت کے مطابق انھیں حق دیں اور انھیں مؤخر نہ کریں''۔

ہمیں اس کا بھی حکم ہے کہ آج کا کام کل پر نہ ٹالیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز سے ایک دن کہا گیا کہ آج کا کام کل پر نہ چھوڑ دیجیے تو انھوں نے فرمایا کہ مجھے تو ایک دن کے کام نے تھکا دیا ہے اگر دو دنوں کا کام اکٹھا ہو جائے تو کیا حال ہوگا۔

حضرت بن عطاء کا فیصلہ ہے کہ:

''جو حقوق اوقات میں واجب ہوں ان کی قضا تو ممکن ہے مگر خود اوقات کے حقوق کی قضا ممکن نہیں ہے؛ کیوں کہ جو نیا وقت ہمارے پاس آتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی نیا حق اور کوئی اہم عمل ضرور ہوتا ہے''۔

امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' میں صوفیوں کے اس طبقہ پر سخت نکیر کی ہے جو اعمال کے مابین ترتیب کی رعایت نہیں کرتے ہیں؛ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''ایک دوسری جماعت جو نوافل کی حریص ہے مگر فرائض کا ٹھیک طور سے اہتمام نہیں کرتی۔ میں دیکھتا ہوں کہ بعض صوفیاء چاشت اور تہجد کی نماز سے تو خوش ہوتے ہیں مگر فرائض میں انہیں لذت نہیں ملتی اور نہ انھیں ان کے صحیح وقت پر ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے ذہن سے حدیث قدسی کا وہ مفہوم محو ہو جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

''مَا تقرَّبَ المتقربون إِلَيَّ بِمِثْلِ اَدَاء مَا افترضتُ عليهِمْ'' (بخاری)۔

''میرے بندے فرائض سے زیادہ کسی بھی چیز کے ذریعہ میرا قرب حاصل نہیں کر سکتے''

عبادات کے درمیان ترتیب کی رعایت نہ کرنا مجموعۂ شرور کی حیثیت رکھتا ہے؛ کیونکہ کبھی کبھی ایک انسان پر دوفرائض عائد ہوتے ہیں مگر ان میں سے ایک کی ادائیگی کا وقت تنگ ہوتا ہے اور دوسرے کے وقت میں وسعت ہوتی ہےتو وہ اگرترتیب کی رعایت نہ کرے گاتو دھوکہ کھا جائے گا۔

اس کی بے شمار نظیریں ہیں، کیوں کہ معصیت بھی ظاہر ہے اور اطاعت بھی، مگر غورکرنے کی بات یہ ہے کہ کس طاعت کومقدم رکھا جائے ،مثلاًفرائض نوافل پر مقدم ہیں، فرائض اعیان فرائض کفایہ پرمقدم ہیں۔جس فرض کفایہ کوکسی نے ادانہ کیا ہووہ اس فرض کفایہ پرمقدم ہے جسے کسی نے ادا کرلیا ہے۔ اہم فرض عین غیر اہم فرضِ عین پر مقدم ہے۔اسی طرح فوت ہونے والےفرض کوفوت نہ ہونے والےفرض پرترجیح حاصل ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ والدہ کی حاجت والد کی حاجت پر مقدم ہے۔رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا:

''اے اللہ کے رسول! ہمارے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں۔سوال کیا گیا: پھرکون؟ آپ ﷺ نےفرمایا: تیری ماں پھر دریافت کیا گیاتو آپ ﷺ نےفرمایا: تیری ماں۔پھرکون؟ تو فرمایا: جوزیادہ قریب ہو''(ترمذی،حاکم)۔

تو مناسب ہے کہ صلہ رحمی سب سے پہلے اپنےقریبی رشتے دار سے شروع کی جائے ،اگرقرابت میں برابر ہوں تو پھرضرورت وحاجت کالحاظ رکھا جائے ،اور اگر اس میں بھی برابر ہوں تو پھرتقویٰ وورع کالحاظ کیا جائے ۔

اسی طرح اگرکسی نے کسی سے وعدہ کررکھا ہے، اسی دوران جمعہ کاوقت ہوجائے اور

اس بات کا اندیشہ ہو کہ وعدہ وفا کرنے کی خاطر انتظار کرنے سے جمعہ فوت ہوسکتا ہے تو اس صورت میں ایفائے عہد معصیت ہے۔ اگر چہ فی نفسہ ایفائے عہد طاعت ہے۔ اسی طرح اگر کسی کے کپڑے پر نجاست لگ جائے جس کی وجہ سے وہ اپنے والدین اور اہلِ خانہ کو گالی دیتا ہے تو اس جگہ نجاست سے بچنا بھی لازم ہے اور ان کو ایذا دینے سے بھی۔ مگر موازنہ کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ نجاست سے بچنے سے زیادہ اولیٰ، والدین کی ایذ ارسانی بچنا سے ہے۔

محقق ابن القیم نے اس سلسلہ میں مختلف اقوال ذکر کیے ہیں کہ کون سی عبادات افضل ہیں:

۱۔ کیا وہ عبادات افضل ہیں جن کی ادائیگی نفس پر شاق ہو؟

۲۔ یا وہ عبادات افضل ہیں جن کا نفع متعدی ہو؟ پھر انھوں نے اس قول کو راجح قرار دیا ہے کہ علی الاطلاق کوئی عبادت افضل نہیں ہے۔ بلکہ وقت اور موقع کی مناسبت سے عبادت افضل ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کسی جگہ فاقہ زدہ افرادنانِ شبینہ کے محتاج ہوں تو ان مساکین کو کھانا کھلانا اس وقت تقربِ خداوندی کا سب سے افضل ذریعہ ہے اور جس وقت کفار اسلامی شہر پر لشکر کشی کریں تو اس وقت جہاد افضل ترین عمل ہے، اور مال و اسباب اور اسلحہ جات سے مجاہدین کی امداد کرنا سب سے بڑی نیکی ہے۔ اور جس وقت علماء کرام دنیا سے اٹھ جائیں اور ان کی جانشینی کے فرائض انجام دینے کا مسئلہ درپیش ہو تو اس وقت علمِ دین سیکھنا اور اس میں کمال حاصل کرنا حصولِ علم کا سب سے بڑا ذریعہ اور مومنین کے نزدیک ستائش کا سبب ہے۔ اور اسی طرح دیگر اعمال میں بھی وقت اور موقع و محل کی مناسبت سے اہمیت وفضیلت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

☆☆☆